ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

اسلام کی روشنی میں معاشرتی برائیوں کا انسداد

معاشرتی برائیوں سے مراد انسان کے ایسے اعمال و افعال ہیں جو معاشرت میں اضطراب و فساد پیدا کریں اور جن سے معاشرتی نظام درہم برہم ہو۔ ان برائیوں میں کذب و افترا، دھوکہ بازی، فریب طرازی، الزام تراشی، بے راہ روی، چوری، ڈاکہ زنی، قتل و غارت گری، شر و فساد انگیزی اور خوں ریزی شامل ہیں۔ قرآن و سنت میں ان میں سے ایک ایک برائی کا ذکر کر کے اس کے مرتکب کو مجتنب رہنے کی تاکید کی گئی ہے اور بار بار ارتکاب کرنے والوں کو دنیا میں تباہی و بربادی اور آخرت میں خسران و عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ قرآن و سنت میں معاشرتی برائیوں کے لیے جامع اصطلاحات بھی استعمال ہوئی ہیں جن میں "منکر" اور "فحش" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جھوٹ جسے عربی میں کَذِب کہتے ہیں معاشرتی برائیوں کی جڑ ہے۔ انفرادی اور اجتماعی برائیوں کا منبع جھوٹ ہے۔ انسان قول اور فعل کے ذریعے دوسرے انسانوں سے تعلق پیدا کرتا ہے قلب و ذہن کی تمام برائیاں پہلے قول سے جنم لیتی ہیں پھر فعل اور عمل کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ جھوٹ انسان کو ناکامی و نامرادی تک پہنچا دیتا ہے اور وہ خسرانِ مبین کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسان جب انسانوں کے ساتھ معاملات میں جھوٹ و فریب اور کذب و افترا اختیار کر لیتا ہے تو وہ بڑھتا بڑھتا انکارِ خدا تک جا پہنچتا ہے۔ اس بات کو قرآن حکیم نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ (الانعام: ۳۱)

جن لوگوں نے اللہ سے ملاقات کا انکار کیا وہ گھاٹے میں رہے۔

دوسری آیت میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ (الاعراف، ۱۴۷)

جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور قیامت کی ملاقات کا انکار کیا ان کے تمام اعمال برباد ہو گئے۔

اللہ اور قیامت کے انکار کو اعمال کی بربادی کے مترادف قرار دیا گیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب انسان

یہ سمجھنے لگے کہ اس سے بالا کوئی ہستی نہیں، وہ خود ہی ہر چیز پر قادر ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ بے خوف ہو جائے کہ وہ جس قسم کے بھی اعمال کرے گا اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا۔ جب انسان میں یہ بات راسخ ہو جائے تو وہ ہر قسم کی برائی کا ارتکاب کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے انکار سے انسان میں مسئولیت کی فکر ختم ہو جاتی ہے، وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کے بُرے اعمال و افعال کا محاسبہ نہیں ہوگا اور موت کے بعد حشر کا میدان بپا نہیں ہوگا۔ زندگی کا اختتام موت سے اور اعمال و افعال کا اختتام دنیا سے رخصت پر ہے۔ اس عدمِ مسئولیت کے نظریے سے افراد اور اقوام ایسی برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں جو ہلاکت اور بربادی تک پہنچا دیتی ہیں۔

اللہ اور قیامت پر ایمان سے انکار کی ابتدا رسالت و نبوت سے انکار سے ہوتی ہے۔ رسول اور نبی، اللہ اور قیامت پر ایمان کا داعی ہوتا ہے۔ جو لوگ اس کا انکار کر دیں، نبوت و رسالت کو نہ مانیں، وہ ان تعلیمات کے بھی منکر ہوں گے جو وہ رسول ان کے پاس لاتا ہے۔ ان تعلیمات کی بنیاد ہی ایمان باللہ پر ہے۔ جو لوگ رسالت کے منکر ہوں گے وہ لازمی طور پر اللہ کے بھی منکر ہوں گے۔ ایسے ہی منکرین اللہ اور قیامت کے متعلق قرآنِ حکیم میں بیان کیا گیا ہے کہ جب قیامت بپا ہوگی اور میدانِ حشر میں باز پرس کی جائے گی تو جن لوگوں نے قیامت کے روز مسئولیت کے عقیدے کا انکار کیا ہوگا وہ صاف انکار کر دیں گے کہ ان کے پاس تو کوئی نذیر یعنی ڈرانے والا آیا ہی نہیں تھا۔ اور جب خود ان کے اعضا و جوارح ان کے جھوٹ پر گواہی دیں گے، ان کے اعمال و افعال ان کے خلاف شہادت دیں گے اور انبیا و رسل کو جھٹلانے کے لیے ایسے جھوٹے لوگوں نے جو کچھ دنیا میں کیا ہوگا وہ ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا تو اس وقت ان کے پاس اقرار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ وہ پکار اٹھیں گے:

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا (الملک: ۹)

ہاں ڈرانے والا تو ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے انکار کر دیا تھا۔

اس سے واضح ہوا کہ تمام برائیوں کی جڑ جھوٹ ہے۔ جھوٹ کا منبع انکارِ خدا، انکارِ قیامت اور انکارِ رسالت ہے۔ جو انسان اللہ، آخرت اور رسالت کا منکر ہو جاتا ہے، وہ ہر قسم کی برائی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ دھوکا، فریب، بہتان، الزام، چوری، زنا، قتل، ڈاکہ، رشوت، سفارش، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ ایسے لوگوں کا معمول بن جاتا ہے۔ دل اور ضمیر کی خلش محسوس کیے بغیر وہ مسلسل ان برائیوں کا

ارتکاب کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایمان دل سے نکل جاتا ہے، دل اور ضمیر مردہ ہو جاتے ہیں، ہوس، لالچ اور طمع کی مکمل گرفت میں آکر وہ توازن اور اعتدال کو کھو بیٹھتے ہیں اور بالآخر انسانیت کے شرف سے گر کر حیوانیت کی سطح پر آپڑتے ہیں، بلکہ وہ حیوانیت کی سطح سے بھی پست ہو جاتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (الاعراف، ۱۷۹)

یہ لوگ حیوانوں کی طرح ہو جاتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ - یہ وہ لوگ ہیں جو غافل ہیں۔

عقل و ضمیر کے یہ اندھے لوگ صرف دنیا میں گمراہ نہیں بلکہ انھیں اس اندھے پن کی حالت ہی میں آخرت کو اٹھایا جائے گا اور وہ اپنی صریح گمراہی کے سبب اندھے ہی اٹھیں گے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۲)

جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے، وہ شخص آخرت میں بھی اندھا ہے اور روش کے اعتبار سے گمراہ ترین شخص ہے۔

خدا اور انسانیت کے ان دشمنوں کا ٹھکانا دنیا اور آخرت دونوں میں بہت بُرا ہوگا اور وہ طرز زندگی اور روش حیات کے اعتبار سے انتہائی گمراہ ہیں:

اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (الفرقان، ۳۴)

یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا بہت بُرا ہے اور وہ روش کے اعتبار سے انتہائی گمراہ ہیں۔

قرآن حکیم نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ معاشرے کے ان گمراہ لوگوں کی گمراہی کے اسباب کیا ہیں اور وہ کیوں انسانیت کی سطح سے گر کر حیوانیت کو اختیار کرتے ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک — اللہ — کی طرف سے جو ہدایت قرآن حکیم کی صورت میں بھیجی گئی ہے، اسے چھوڑ کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ جو لوگ یہ روش اختیار کرتے ہیں، وہی تباہی و بربادی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ (القصص، ۵۰)

اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔

معاشرے کے یہ دشمن لوگ جب قیامت میں اٹھائے جائیں گے اور معاشرتی برائیوں کے سبب انھوں نے جو انسانیت سوز اعمال و افعال کیے ہوں گے، ان کا نتیجہ عذاب کی صورت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو انھیں خود پتا چل جائے گا کہ انھوں نے گمراہ ترین روش اپنا رکھی تھی۔

وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (الفرقان: ۴۲)

معلوم ہو جائے گا جب وہ عذاب کو دیکھیں گے کہ روش کے اعتبار سے کون زیادہ گمراہ تھا۔

قرآن حکیم نے خدا اور انسان کے ان مجرموں کے ارتکاب جرم کے اسباب وعلل بڑی وضاحت سے بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ اس گمراہ کن روش کو یہ کس طرح اپناتے جاتے ہیں۔ گمراہی کے اسباب میں سرفہرست سبب مادہ پرستی ہے۔ جب انسان یہ سوچنے لگتا ہے کہ اس دنیا کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہوگی، اس کے اعمال و افعال کا محاسبہ نہیں کیا جائے گا اور اس سے کوئی بازپرس کرنے والا نہیں ہوگا تو وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ اس دنیا میں مادی ذرائع و وسائل کا حصول ہی منتہائے مقصود ہے، انسان کی یہ سوچ اسے دنیوی اسباب اور مادی ذرائع و وسائل کے حصول میں جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تمیز سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ وہ بالکل آزاد ہو کر مذہبی اور معاشرتی برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ ناجائز اور حرام ذرائع سے جمع کردہ دولت، اور دھوکہ اور فریب سے حاصل کردہ جاہ و جلال اور شان و شوکت کو اپنی کامیابی قرار دیتا ہے۔ مگر یہ انسان کی کوتاہ بینی اور حقائق سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔ یہ کامیابی نہیں بلکہ دنیا و آخرت میں گمراہی، نقصان اور خسران ہے۔

قرآن حکیم نے تاریخِ انسانیت میں انسان کے عروج و زوال کے اسباب کو سامنے رکھ کر پوری تاریخ اور زمانے کی قسم کھا کر انسان کی اس روش کو خسرانِ مبین اور نقصانِ عظیم قرار دیا ہے۔ فرمایا:

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ (العصر: ۱، ۲)

زمانے کی قسم انسان سراسر خسارے میں ہے۔

اس خسارے کے اسباب یہ بیان کیے کہ انسان مادی اور الحادی عقیدے اور طرزِ عمل کو اپنا لیتا ہے۔ اس روش سے جن اعمال و افعال کا اس سے صدور ہوتا ہے وہ اسے خسران و ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم کتاب ہدایت ہے، اس لیے جہاں اس میں انسانوں کی ہلاکت و بربادی کے اسباب بیان ہوئے ہیں وہاں اس کی کامیابی و کامرانی کے لیے رشد و ہدایت کی راہیں بھی بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (العصر: ۳)

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔

گویا معاشرتی برائیوں، عقیدہ و عمل کی گمراہی سے نجات اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا دارومدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ جو لوگ راہِ راست پر آنا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہوں، وہ دل و ضمیر کی آواز سن سکیں اور ذہنی و قلبی سکون حاصل کر سکیں تو ان کے لیے ایک

ہی راہ کھلی ہے اور وہ راہ ایمان اور عملِ صالح کی راہ ہے۔ مادی اور الحادی روش اپنانے سے انسان کو ذہنی اور قلبی سکون ہرگز نصیب نہیں ہو سکتا۔ وہ مادی ذرائع و وسائل کے حصول میں جتنے آپ کو جتنا زیادہ کامیاب پاتا ہے قلب و ذہن کے اعتبار سے وہ اتنا ہی بے چین و مضطرب ہوتا ہے۔ اس کی زندہ مثال مغرب و مشرق کے مادی اور الحادی نظام ہائے حیات کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ وہ کون سی دنیوی آسائش اور سہولت ہے جو آج ان معاشروں کو دستیاب نہیں۔ سائنس، ٹیکنالوجی اور تسخیرِ کائنات سے انسان کو جو دنیوی مال و آسودگی آج حاصل ہے وہ اس سے قبل کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ مگر یہ حقیقت ان مادی و الحادی نظاموں کے علم برداروں کی بیان کردہ ہے کہ خودکشی، چوری، ڈاکہ زنی، فریب طرازی، بے چینی، اغوا اور اضطراب کی جو لہر ان معاشروں میں آئی ہوئی ہے وہ کبھی تاریخِ انسانیت میں اس سے قبل دیکھی نہیں گئی۔

اس تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ جو معاشرے اپنے آپ کو مذہبی قرار دیتے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے مذہب کی باتیں کرتے ہیں ان کی حالت بھی قابلِ رشک نہیں۔ وہاں نہ مادی آسائشیں ہیں اور نہ ذہنی و قلبی سکون ہے۔ ان معاشروں میں بسنے والے اکثر لوگ فرار کر کے مادی معاشروں میں جانے کے لیے بے قرار ہیں۔ اگر ان معاشروں میں بے چینی، اضطراب اور معاشرتی برائیوں کے ارتکاب کا کھوج لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج کل دنیا میں مذہب صرف زبان کی حد تک محدود ہے، قلب و ذہن اس سے منور نہیں۔ اس کے دو سبب ہیں، ایک یہ کہ لوگ دین کی اصل تعلیمات سے بے بہرہ ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ اللہ نے دینی زندگی گزارنے کے لیے کیا ہدایات بھیجی ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بعض جگہوں پر دین کو ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ قرآن حکیم انسان کی کمزوریوں سے پوری طرح آگاہ ہے، اس لیے وہ ایسے لوگوں کے ارادوں اور نیتوں سے واقف ہے۔ چنانچہ اس نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ جو لوگ بظاہر مذہبی ہیں مگر مذہب کو دل و جان سے اپناتے نہیں وہ اپنے اعمال و افعال کے اعتبار سے اچھے نتائج سے بہتر نتائج پیدا نہیں کر سکتے، ایک جگہ فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط۔ (العنکبوت: ۴۵)

نماز فحش اور برے کاموں سے انسان کو روک لیتی ہے۔

اس وقت سمگلروں، ذخیرہ اندوزوں، بلیک مارکیٹ کرنے والوں، ملاوٹ اور منشیات کے کاروبار

کا تجزیہ کیا جائے تو ان میں ایسے بھی ہوں گے جو نمازیں بھی پڑھتے ہوں گے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی نماز انھیں فحش و منکر سے باز نہیں رکھ رہی۔ جس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ ایسے لوگ اس نماز کو قائم نہیں کر رہے جس کا تقاضا قرآن حکیم کرتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسے لوگ قرآن کے مطابق نماز کو ادا کرتے تو وہ فحشا اور منکر کے مرتکب نہ ہوتے۔ ایسے نمازی جو نماز کی غرض و غایت سے غافل ہیں، ان کے لیے ہلاکت کی وعید سنائی گئی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ (الماعون: ۴-۶)

ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے، جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، جو محض دکھاوا کرتے ہیں۔

قرآنِ حکیم نے ان لوگوں کو بے دین اور منکرِ دین قرار دیا ہے جو یتیموں اور مسکینوں کی کفالت کا انتظام نہیں کرتے۔ اسی طرح وہ ملک و معاشرہ منکرِ دین قرار پاتا ہے جس میں مساکین و یتامیٰ کو دھکے ملتے ہوں اور ان کے لیے روزی کا بندوبست نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۞ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۙ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۞ (الماعون: ۱-۳)

کیا دیکھا تو نے اس شخص کو جو دین کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی رغبت نہیں دیتا۔

قرآن کی نظر میں وہ معاشرہ جس میں یتیموں کو دھکے دیے جائیں اور مسکینوں کے کھانے اور ان کے ذرائع روزگار کا معقول اور باعزت بندوبست نہ ہو وہ منکرِ دین معاشرہ ہے۔ یتیموں اور مسکینوں، محتاجوں، معذوروں کی کفالت نہ کرنا بہت بڑی معاشرتی خرابی ہے۔ دین دار اور بے دین معاشرے کی قرآنی پہچان یہ ہے کہ دین دار معاشرے میں تمام افرادِ ملت کے ذرائع روزگار کا معقول اور باعزت انتظام ہوتا ہے جب کہ بے دین معاشرہ ان فرائض سے غافل ہوتا ہے۔ اسلام نے ان تمام برائیوں کی اصلاح کے لیے انسانیت کو جو لائحہ عمل عطا کیا ہے، اس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں: (۱) **عقائد و ایمانیات** (۲) **عبادات** (۳) **معاملات**۔

عقائد و ایمانیات میں سرِ فہرست ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسل ہے۔ جو لوگ اللہ پر ایمان لے آتے ہیں۔ وہ اللہ کے سوا تمام معبودوں کا انکار کر دیتے ہیں، جسے کلمہ طیبہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: لا الٰہ الا اللہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی طاقت

قدرت اور اتھارٹی ایسی نہیں جس کے سامنے جھکا جائے۔ معاشرت، معیشت، سیاست، تہذیب، تمدن، تعلیم، عدالت، خاندان، روزی، عزت و ذلت تمام شعبہ ہائے حیات میں ضروریات، حاجات، خواہشات، اغراض، مقاصد کی تکمیل اور ان کا حصول صرف اور صرف خدا سے کیا جائے، اسے چھوڑ کر اول تو کسی میں ان کی تکمیل اور عطا کی قوت اور قدرت نہیں، دوم اگر انسان بے خبری، جہالت اور غفلت سے دوسروں سے مانگے تو اُسے ناکامی و نامرادی ہوگی۔

ایمان بالآخرت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس بات پر ایمان لائے کہ اس کے تمام اعمال و افعال کا محاسبہ روز قیامت کو ہوگا، حتیٰ کہ رائی کے دانے کے برابر بھی اگر انسان نے کوئی خیر یا شر کا کام کیا ہے تو وہ اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور اس کے مطابق جزا و سزا پائے گا۔ ایمان بالرسالت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور آخرت کے بارے میں تفصیلی تعلیمات دینے کے لیے انسانوں میں سے ایک رسول مبعوث کیا گیا جو ان الٰہی تعلیمات پر غور کر کے انسانوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کرے تاکہ انسان قیامت کے روز یہ حجت پیش نہ کر سکیں کہ ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا گیا تھا، اگر ان کے پاس ڈرانے والا بھیجا جاتا تو وہ راہِ راست پر آجاتے۔ اس لیے خدا اور انسانیت کے مجرمین پر اتمامِ حجت کے لیے ہر قوم میں انبیا و رُسل مبعوث ہوئے اور بالآخر سب سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، جو انسانیت کے لیے کامل و مکمل، تمام و کمال، غیر متغیر و غیر متبدل دین لے کر آئے، جنھوں نے اس دین پر خود عمل کر کے دنیا کے سامنے عملی نمونہ پیش کیا اور ثابت کیا کہ یہ دین ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے قابلِ عمل ہے۔ پھر آپؐ نے ہزاروں انسانوں کو تعلیم و تربیت دے کر ایک نہایت پاکیزہ اور ترقی یافتہ معاشرہ قائم فرمایا جو ہر قسم کی معاشرتی اور اخلاقی برائیوں اور بیماریوں سے پاک تھا اور ہزاروں نفوسِ قدسیہ کی جماعت تیار کر کے ثابت کیا کہ اگر اس دین پر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے تو مثالی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے، لہٰذا قیامت تک کے لیے راہِ ہدایت دکھانے والی کتاب قرآن حکیم کی عملی تصویر اسوۂ رسولؐ اور اسوۂ رسول کی عملی تصویر حیاتِ صحابۂ کرام ہے

اگر آج کوئی فرد، کوئی جماعت، کوئی معاشرہ، کوئی حکومت یا پوری انسانیت خیر و صلاح چاہتی ہے تو اس کے لیے یہی راہِ نجات ہے کہ وہ اللہ کے اس آخری دین کو دل و جان سے اپنا لے۔ اس کا طریقِ کار وہی ہے جو نبیِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا تھا۔ سب سے پہلے عقائد کی اصلاح کی جائے

جن کا ذکر قرآن و سنت میں مذکور ہے۔ پھر عبادات کے اس نظام پر عمل کیا جائے جس پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا تھا۔ ان عبادات کی ادائیگی میں اس سنت پر عمل کیا جائے جو نبی آخر الزمان کی سنت ہے۔ نماز اس طرح ادا کی جائے کہ نماز، نمازی کو فحشا اور منکر سے روک لے۔ روزہ اس طرح رکھا جائے کہ اس سے روزہ دار میں تقویٰ اور احساس ذمے داری بیدار ہو جائے، ورنہ اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں کہ وہ انسان کو خواہ مخواہ بھوک اور پیاس کی صعوبتوں سے دوچار کرے۔ زکوٰۃ اس طرح ادا کی جائے کہ ملک سے غربت و افلاس کا مکمل خاتمہ ہو جائے اور زکوٰۃ دینے والا اپنے آپ کو زکوٰۃ لینے والے سے افضل و برتر خیال نہ کرے، بلکہ فضیلت و برتری کی بنیاد صرف تقویٰ ہو: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ حج اس لیے ادا کیا جائے کہ اللہ کی کبریائی حاجی کے دل پر ثبت ہو جائے، بیت اللہ کی عظمت اس کے دل پر نقش ہو اور وہ تاحیات ہر قسم کی برائیوں سے اجتناب کرنے کا عزم صمیم لے کر لوٹے، حج کی ادائیگی مسلمانوں میں اخوت و مساوات کے جذبات کو پروان چڑھائے اور ان کے دلوں سے رنگ، نسل، دولت، قومیت کے امتیازات ختم کر کے وحدتِ ملّی کا عقیدہ تازہ کرے۔ قربانی اس لیے دی جائے کہ قربانی دینے والا ذاتی و نفسانی اغراض و خواہشات کی قربانی دے، ایثار و قربانی کو اپنائے، ورنہ اللہ نے فرما دیا ہے کہ اسے قربانی کے جانوروں کا نہ گوشت پہنچتا ہے نہ کھال و بال۔

معاملات میں عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ تمام معاشرتی برائیوں کی جڑ بے انصافی، زیادتی اور معاشرتی اور معاشی ناہمواری ہے۔ اگر اسلامی نظامِ معاملات کو اپنا لیا جائے تو عدل و انصاف کا نظام قائم ہو جاتا ہے، ظلم و زیادتی ختم ہو جاتی ہے اور معاشرتی و معاشی بے اعتدالی کا انسداد ہو جاتا ہے۔

اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کو اس دنیا کو لانے والے نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا جائے۔ آپ نے اسلام کے نفاذ کی ابتدا اصلاحِ عقائد سے فرمائی۔ آج بھی وہی طریقِ نفاذِ اسلام کامیاب ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہوگا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے قائدین عملی نمونہ پیش کریں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم سے یہی کہا تھا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (یونس: ۱۶)

میں تمہارے اندر اس سے قبل ایک زندگی گزار چکا ہوں کیا تم سمجھتے نہیں۔

دوسرا کام یہ کیا جائے کہ قوم کی اصلاح کے لیے نظام تعلیم کو قرآنی تعلیمات کے مطابق ڈھالا جائے۔ قرآنی نظامِ تعلیم ترتیب دیا جائے اور اس کے مطابق قوم کی تربیت کی جائے۔ اس کا موجودہ حالات میں طریق کار یہ ہو سکتا ہے کہ پرائمری سطح تک ہر طالب علم ناظرہ قرآن لازمی طور پر پڑھے۔ میٹرک تک ہر طالب علم قرآن باترجمہ لازمی طور پر پڑھے۔ بی۔ اے / بی ایس سی تک ہر طالب علم قرآن کے اسرار و رموز اور حکمتِ قرآنی سے پوری طرح واقف ہو جائے۔ تزکیے کا عمل پرائمری، مڈل، میٹرک، ایف۔ اے، بی۔ اے، ایم۔اے کی تعلیم کے دوران طلبا کی ذہنی سطح کے مطابق جاری رہے۔ قلب و ذہن کی تمام آلائشوں سے طلبا کو پاک کر کے ان میں وسعت فکر و نظر پیدا کی جائے۔ وہ روح کی پاکیزگی کے ساتھ بہترین ڈاکٹر، انجنیئر، منصف، حاکم، کاشت کار، صنعت کار، تاجر، محنت کش، استاد، خطیب، امام بن کر نکلیں، ملک میں معاشرتی اور اقتصادی برائیوں سے پاک معاشرہ قائم کریں، دنیا کے سامنے اپنی سیرت و کردار کو نمونے کے طور پر پیش کر کے قرآنی صداقت کو عمل کی شکل دیں۔

لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ : ۱۴۳)

تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

مرتبہ ممتاز مرزا

خلیفہ صاحب فلسفہ و حکمت، مذہب و سائنس، تاریخ و رجال اور شعر و شاعری وغیرہ تمام مروجہ علوم پر عبور رکھتے تھے اور اس دور کی ہمہ جہت علمی شخصیت تھے ــــ اس کتاب میں ان کے حالاتِ زندگی اور سوانح بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ان کے فکر و فن کے مختلف پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے اور ان کی تصنیفات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے عہد کی بعض بڑی شخصیتوں کا تذکرہ و تعارف بھی درج کتاب ہے۔

صفحات ۲۰ + ۳۱۶ قیمت ۱۸ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور